تقدیر الٰہی کا انسانی تدبیر اور دعا سے تعلق

خدا تعالیٰ کے وجود کی وسعتوں کو جاننے کی کوشش کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۹ء بمقام ناصر باغ فرینکفرٹ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

چند دن پہلے مجھے نن سپیٹ ہالینڈ میں جماعت احمدیہ ہالینڈ کو ان کے سالانہ جلسے میں خطاب کرنے کی توفیق ملی اس ضمن میں کہ آئندہ صدی کے لئے اور خصوصیت سے اس سال کے بقیہ حصے میں جماعت احمدیہ کو کیا کرنا چاہئے میں نے ایک مضمون کی تمہید وہاں باندھی تھی۔ وہ مضمون تو آپ کیسٹس کی صورت میں مہیا ہوگا تو سن سکیں گے۔ اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس موقع پر میں نے تین بنیادی ایسے اسباب کا ذکر کیا جو جماعت احمدیہ کی ترقی کے لئے انتہائی ضروری ہیں اور جن کے باہمی تعلق کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور وہ تین اہم اسباب جو قوموں کی ترقی کے لئے نہایت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں وہ ہیں تقدیر الٰہی اور انسانی تدبیر اور دعا۔ ان تینوں کے درمیان کیا باہمی رشتہ ہے۔ کس کو کس پر فوقیت حاصل ہے اور کیسے مومن اس نظام کو اور ان کے باہمی تعلقات کو سمجھ کر اپنے لئے نہایت ہی عمدہ اور مفید لائحہ عمل تجویز کر سکتا ہے۔

دعا کے ضمن میں میں نے یہ بھی بتایا کہ دعا کی قبولیت کے لئے انسانی اعمال کو بہت گہرا دخل ہے اور اعمال میں سے وہ حصہ اعمال جن کا خدا تعالیٰ کی طرف بڑھنے سے تعلق ہے۔ جب تک کسی کے ساتھ کوئی دوستی کا تعلق قائم نہ ہو اس وقت تک وہ اس کی آواز پر لبیک نہیں کہتا۔ آواز پر لبیک کہنے کے لئے گہرے رشتے ہونے ضروری ہیں اور جتنا زیادہ یہ رشتہ گہرا ہوگا اتنا ہی زیادہ طبعی جوش کے

ساتھ انسان دوسرے کی آواز پر لبیک کہتا ہے جس طرح ایک بچے کی پکار پر ماں لبیک کہتی ہے اس طرح آپ کو دنیا کے رشتوں میں کوئی اور مثال دکھائی نہیں دے گی لیکن وہی نرم دل ماں جو اپنے بچے کے لئے بعض اوقات اتنا بے قرار ہوتی ہے کہ اپنی زندگی کے ہر آرام کو جہنم میں جھونک دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہے غیروں کی آوازیں سنتی ہے تو اس کے دل میں وہ حرکت پیدا نہیں ہوتی۔

یہ جو تعلق ہے یہ درجہ بدرجہ ہر انسانی رشتے پر پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ قومی تعلقات میں بھی ہمیں اسی کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ اب مثلاً جرمنی میں حال ہی میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے اس انسانی فطرت کے پہلو پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ جرمن قوم مظلوم لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دینے میں ایک خاص مقام پیدا کر چکی ہے اور اس لحاظ سے اسے دنیا میں ایک شہرت حاصل ہے لیکن ان پناہ دینے والوں اور پناہ لینے والوں کے درمیان ایک فرق ہے کچھ ایسے پناہ لینے والے یہاں آتے ہیں جو یورپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ایسے پناہ لینے والے آتے ہیں جو مشرقی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ پناہ تو دونوں کو دی جاتی ہے مگر پناہ دینے کے انداز میں اور پناہ لینے میں جس قسم کا جذبہ دکھایا جاتا ہے ان دونوں میں فرق ہے۔ پس میں شکوے کے رنگ میں یہ بات بیان نہیں کر رہا بلکہ آپ کو سمجھانے کی خاطر یہ بات بیان کر رہا ہوں کہ حال ہی میں آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ مشرقی جرمنی سے ہزار ہا لوگ بعض دوسرے یورپین ممالک میں پہنچے کیونکہ براہ راست وہ مشرقی جرمنی سے مغربی جرمنی نہیں آسکتے تھے کیونکہ اس راہ میں زیادہ روکیں ہیں۔ تو انہوں نے یہ ترکیب اختیار کی کہ وہ دوسرے مشرقی یورپ کے ممالک میں چلے گئے اور وہاں سے پھر مغربی جرمنی کا رخ کیا اور اس کے اوپر جو مغربی جرمنی نے حیرت انگیز محبت اور خلوص کا اظہار کیا ہے وہ دل پر اثر کرنے والی بات ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ یہاں پہنچتے، ان کی طرف سے درخواستیں دی جاتیں کہ ہمارے لئے گھروں کا انتظام کرو، ہماری پناہ کا انتظام کرو، ہمیں بعد میں پاسپورٹس کی سہولتیں دیں۔ تمام ایسی سہولتیں مہیا کرنے والے ادارے بارڈرز پر ان کے استقبال کے لئے پہنچے ہوئے تھے اور پروگرام یہ ہے کہ آئندہ دس سال تک مسلسل ان آنے والوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا اور پاسپورٹس کی درخواست دینے کی بجائے پاسپورٹس کے دفاتر وہاں سرحدوں کے اوپر کھل گئے اور ہر آنے والے کو اسی وقت اس کا پاسپورٹ بنا کر اس کے سپرد کیا گیا۔

اب دیکھئے کتنا زمین آسمان کا فرق ہے۔ جذبہ ہمدردی بظاہر وہی ہے جو انسان کے گہرے فطری تقاضوں سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی مظلوم کی مدد کی جائے مگر کہاں وہ مظلوم جو دور کے ملکوں سے آنے والے ہیں کہاں اپنے وہ بھائی جو مشرقی جرمنی سے تعلق رکھتے ہیں ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے لیکن یہ انسانی فطرت ہے۔ اس فطری تقاضے کو مٹایا نہیں جا سکتا۔

جماعت احمدیہ کی اپنی ایک شخصیت ہے جو کوئی ملکی شخصیت نہیں وہ ایک بین الاقوامی شخصیت ہے۔ ایک سو بیس ممالک سے تعلق رکھنے والی یہ جماعت ہے لیکن اس کے باوجود ایک سو بیس ممالک میں سے ہر ملک جماعت کی شخصیت پر اپنے رنگ میں بھی اثر انداز ہوتا ہے اور بین الاقوامی تعلقات میں ان شخصیتوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

اس مشکل کو دور کرنے کے لئے وہی ذریعہ ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کے دعا کے ذریعے خدا سے تعلق باندھا جائے جو جماعت احمدیہ کی طرح عالمگیر ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کا مالک ہے اور اس کے ساتھ ایسا تعلق باندھا جائے کہ ہر دوسرے انسانی تعلق سے وہ تعلق بڑھ جائے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس غیر معمولی تعلق کے بعد خدا آپ کے ساتھ وہ سلوک نہ کرے جو قومیں اپنے ہم قوموں کے ساتھ سلوک کیا کرتی ہیں، جو مائیں اپنے بچوں کے ساتھ سلوک کیا کرتی ہیں۔ وہ سلوک ان سب رشتوں سے بڑھ کر ہوگا لیکن اس کے لئے انسان کو اپنے اندر کچھ پاک تبدیلیاں پیدا کرنی پڑتی ہیں اور خدا کے جیسا ہونے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔

یہ مضمون بھی سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے اور بڑے غور سے آپ کو اس کو سمجھنا اور دلنشین کرنا چاہئے۔ جتنی بھی مثالیں میں نے آپ کے سامنے رکھیں یا اور مثالیں جو آپ سوچ سکتے ہیں ان میں ایک بات غور کے نتیجے میں آپ پر خوب کھل جائے گی کہ وہ تعلقات جن میں مشابہت پائی جاتی ہے وہ زیادہ مؤثر ہوتے ہیں اور جتنی زیادہ تعلقات میں مشابہت بڑھتی چلی جائے گی اتنی ہی زیادہ وہ مؤثر ہوتے چلے جائیں گے۔ ماں اور بچے کے درمیان حد سے زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں ایک ہی وجود کا حصہ ہوتے ہیں، ایک ہی جیسی سوچیں سوچنے والے فطرتاً اور ایک ہی جیسے خون کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے دماغ بھی ملتے ہیں، ان کے دل بھی ملتے ہیں، ان کے اعضاء بھی ملتے ہیں، چہروں کے نقوش بھی ملتے ہیں لیکن اگر ظاہری نقوش نہ بھی ملیں تب بھی آپس میں اشتراک کی

اتنی قسمیں موجود ہیں اور اتنے زیادہ اشتراکات موجود ہیں کہ اس سے بڑھ کر انسانی یا حیوانی رشتوں میں اشتراکات سوچے نہیں جا سکتے۔

پس درحقیقت ماں کی محبت اس اشتراک کی بناء پر ہے۔ مغربی جرمنی نے اگر مشرقی جرمنی کے باشندوں سے محبت اور پیار کا سلوک کیا ہے تو واضح بات ہے کہ ان کے درمیان اشتراکات ہیں اور جب ہم جنس ہم جنس کے ساتھ مل کر بیٹھیں تو ان کے جذبات اور تعلقات کی صورت اور ہوا کرتی ہے جب غیر جنس غیر جنس کے ساتھ مل کر بیٹھتا ہے تو اس کے تعلقات اور جذبات کی صورت اور ہوا کرتی ہے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کا سوچ سے تعلق ہے، یہ ایسی بات نہیں ہے جس کا انسانی اخلاق سے تعلق ہے، یہ فطرت کے گہرے تقاضے ہیں۔ چنانچہ فارسی میں کہا جاتا ہے:

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کہ تم دیکھو گے کہ ایک جنس کے پرندے اسی جنس کے پرندوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ کبھی آپ نے مرغابیوں کو کوؤں کے ساتھ پرواز کرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ کبھی آپ نے فاختاؤں کو مگھوں یا بازوں کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ یا تو وہ اکیلے اکیلے پرواز کرتے ہیں یا جب بھی اکٹھے پرواز کریں ہم جنس پرندے اپنی ہی جنس کے دوسرے پرندوں کے ساتھ مل کر یعنی دونوں ہم جنس باہم پرواز کرتے ہیں۔ اب اس میں اخلاق کی تو کوئی بات نہیں۔ اگر کوئی شارک کوؤں کے ساتھ مل کر پرواز کرنا چاہے اور کوے اس کو پرواز نہ کرنے دیں تو شارک کا یہ حق تو نہیں ہے کہ وہ شکوے کرے کہ دیکھو تم ہم سے برا سلوک کر رہے ہو یا غلط سلوک کر رہے ہو۔ اگر وہ ساتھ مل کے پرواز کرنے دے تو ان کا احسان ہے۔

پس جہاں تک قوموں کے طبعی فطری رجحانات کا تعلق ہے اس میں شکوے کی کوئی جا نہیں ہے۔ آپ اس قسم کی باتیں ہرگز نہ کریں کہ جرمن قوم نے جرمن قوم سے تو اتنا اچھا سلوک کیا اور ہمیں بعض دفعہ پندرہ پندرہ سال گزر جاتے ہیں اور پاسپورٹ کے لئے دھکے کھانے پڑتے ہیں لیکن پاسپورٹ نہیں ملتا۔ یہ کوئی سوچی سمجھی تدبیر کے نتیجے میں نہیں ہے۔ نہ تو اسے ہم Race کے فرق کے طور پر کہہ سکتے ہیں جیسا کہ میں نے مثال دی ہے کہ گہرے فطری تقاضے ہیں جن کا زندگی کی ہر نوع سے تعلق ہے۔ لیکن جتنا ہم غور کریں وہاں یہ بات ضرور دکھائی دے گی کہ اشتراک ہونے چاہئیں اور

جہاں جہاں اشتراک پائے جائیں گے وہاں یہ فطری تقاضا ضرور کارفرما ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کے مضمون میں بھی یہی بات سکھائی ہے کہ تم میرے ساتھ اپنی قدر مشترک پیدا کرو۔ یہ نہ ہو کہ تم غیر کے بنے رہو اور پھر مجھے پکارو اور پھر یہ خیال کرو، یہ وہم دل میں لاؤ کہ میں ضرور تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ (البقرہ:۱۸۷) جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ تو میں تو قریب ہوں۔ یہاں لوگ بعض دفعہ لفظ عبادی کا مفہوم نہ سمجھنے کے نتیجے میں غلط نتیجے نکال لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عبادی سے مراد ہر کس و ناقص ہر قسم کا انسان عبادی کے ذیل میں آجاتا ہے خواہ اس کا وہ گندا ہو، خواہ وہ گمراہ ہو، خواہ وہ خدا کی ہستی کا منکر یا اسے گالیاں دینے والا ہو، خواہ وہ بندوں پر ظلم کرنے والا ہو۔ عِبَادِیْ کی ذیل میں وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر قسم کے انسان شامل ہو جاتے اور خدا کا ان کو جواب یہ ہے کہ میں تمہارے قریب ہوں حالانکہ واقعۃً ہرگز ایسی بات نہیں ہے۔ خدا اسی کے قریب ہوتا ہے جو خدا کے قریب ہو اور عِبَادِیْ سے مراد یہاں وہ غلام ہیں جو عبادت کے ذریعے خدا کے رنگ سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جب پوچھیں کے ہمارا خدا کہاں ہے تو خدا جواب دیتا ہے فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ میں تو تمہارے ساتھ رہتا ہوں۔

پس پہلے قرب شخصیت کا ہونا چاہئے، پہلے قرب خصلتوں کو ہونا چاہئے، عادات کا ہونا چاہئے، مزاج کا ہونا چاہئے، انسانی رجحانات کا قرب ہونا چاہئے۔ ان سارے قرب کے ذریعوں کو استعمال کرتے ہوئے آپ خدا کے قریب ہونے کی کوشش کریں تو پھر آپ عبد بنیں گے اور اگر آپ خدا کے مزاج کے مطابق اپنا مزاج ڈھالنے کی کوشش کریں تو پھر دیکھیں کہ کس طرح خدا آپ کے قریب ہے۔ انسان جب انسان کے قریب ہوتا ہے یا حیوان حیوان کے قریب ہوتا ہے تو جیسا کہ میں نے مثالیں دی ہیں ان میں آپس میں ایک محبت اور دوستی کا گہرا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے لئے پھر وہ مدد کرنے پر بھی آمادہ ہوتے ہیں اور قربانی کرنے پر بھی آمادہ ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا سلوک اپنے بندوں سے اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ لوگ جو خدا کے بن جاتے ہیں اور خدا کی صفات اپنے اندر جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی دعاؤں کو غیر معمولی قبولیت عطا کی جاتی ہے اور ان کو خدا اتنی فوقیت دیتا ہے دوسروں پر کہ ان کی خاطر بعض دفعہ بڑے بڑے

انسانی گروہ ہلاک کر دئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی نا انصافی نہیں ۔ وہاں یہ نہیں کہا جا سکتا جیسے حضرت نوحؑ کی قوم کو ہلاک کیا گیا کہ اے خدا! ہم بھی تو تیرے بندے تھے ہم سے تو نے کیوں امتیازی سلوک برتا ہے؟ کیوں نوحؑ اور اس کے چند ماننے والوں کی خاطر تو نے اتنے بڑے اور اتنے وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے انسانی گروہ کو ہلاک کر دیا؟ ویسا ہی سوال ہے جیسا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سے کیوں ایک استثنائی سلوک کیا گیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک فطری سلوک ہے اور یہ فطرت زندگی کو خدا سے عطا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس کی صفات حسنہ میں یہ صفت شامل ہے کہ جو اس جیسا ہوگا اس کے ساتھ وہ زیادہ محبت اور پیار کا سلوک کرے گا۔ جو ان جیسا نہیں ہوگا وہ دور ہو جائے گا اور نزدیک سے جو سلوک ہوتا ہے وہ دور سے نہیں ہوا کرتا۔

پس فاصلے خدا پیدا نہیں کرتا۔ فاصلے پیدا کرنا بڑھانا یا کم کرنا یہ انسان کے بس میں ہے اور انسان کے اختیار میں یہ بات رکھی گئی ہے۔ پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی دعائیں قبول ہوں اور جس طرح دنیاوی قومیں اپنی ہم جنس قوموں کی طرف محبت اور شفقت سے لپکتی ہیں اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہیں اسی طرح خدا اپنی رحمت کے ساتھ آپ کی طرف لپکے اور آپ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور آپ سے اپنے قرب کا سلوک آپ کو بھی دکھائے اور دنیا کو بھی دکھائے تو پھر آپ کے لئے ضروری ہے کہ یہی فطری طریق اختیار کریں جو خدا نے ہمیں سکھایا ہے اور ساری کائنات میں زندگی کی ہر قسم اس سلوک کا مظہر ہے۔

پس احمدی نوجوانوں کو خصوصیت کے ساتھ اس عمر میں جبکہ ابھی زندگی بھرپور ہے۔ انسان کی تمنائیں بھی زندہ ہوتی ہیں، اس کے جذبات بھی جوبن پر ہوتے ہیں، اس کی محبتیں بھی جوبن پر ہوتی ہیں، اس کی نفرتیں بھی جوبن پر ہوتی ہیں انسان میں۔ جسمانی لحاظ سے بھی یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ جس طرف چاہے اپنی زندگی کا منہ موڑ لے اور پھر بڑی قوت کے ساتھ ان رستوں پر سفر شروع کرے جو اپنے لئے معین کرتا ہے۔

یہ جو نوجوانوں کو فضیلت حاصل ہے وہ دوسری عمر کے لوگوں کو ایسی نہیں۔ نہ بچوں کو ان باتوں میں جوانوں کا مقابلہ کرنے کی توفیق مل سکتی ہے نہ بوڑھوں کو اپنے ہم جنس، اپنے ساتھیو، اپنے بچوں وغیرہ کے ساتھ اس قسم کا مقابلہ کرنے کی توفیق مل سکتی ہے۔

پس چونکہ یہ آج کا جمعہ خدام الاحمدیہ کے اجتماع کا جمعہ ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ میں نوجوانوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے اعمال کو اس رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کریں کہ ان کے خدا کے تصور کے قریب تر ہو جائیں۔ یہاں جو میں نے ان کے خدا کے تصور کے قریب تر کا لفظ استعمال کیا ہے یہ عمداً کیا ہے ورنہ خدا تو ایک ہی ہے۔ اس کا تصور وہی ہے جو بنیادی تصور قرآن کریم نے پیش کیا ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ آپ کو اس معاملے میں آگے قدم بڑھاتے ہوئے خدا کا جب مزید عرفان حاصل ہوگا تو آپ یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ جائیں گے کہ ایک خدا ہونے کے باوجود اور باوجود اس کے کہ وہی تصور ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے پھر بھی ہر انسان کا تصور دوسرے سے مختلف ہوا کرتا ہے اور اس کی توفیق کے مطابق یہ تصور بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ ہر انسان پر خدا ایک طرح ظاہر نہیں ہوا کرتا۔ بعض انسانوں کی سوچیں محدود ہوا کرتی ہیں، بعضوں کے اخلاق ابھی اتنے بلند نہیں ہوتے کہ وہ خدا کی صفات کے لطیف اور ارفع پہلوؤں کو پہچان سکیں۔

اس لئے ہر شخص اپنے خدا کا ایک خاص تصور رکھتا ہے اور جب وہ اس تصور کے مطابق خواہ وہ نامکمل ہی کیوں نہ ہو، خواہ وہ ناقص ہی کیوں نہ ہو اعلیٰ تصور کے مقابل پر دیانتداری سے اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ کے تصور میں بھی ایک ارتقاء شروع ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر ہر روز ایک نیا خدا ظاہر ہونے لگتا ہے اور خدا کی ہر ظاہر ہونے والی شان پہلی شان سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ پس قرآن نے جب یہ فرمایا کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن: ۳۰) کہ ہر روز ہر لمحہ خدا کی شان تبدیل ہوتی رہتی ہے تو اس سے یہی مراد ہے۔ یہ مراد تو نہیں ہے کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ بدلتا رہتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی تو تبدیلی سے پاک ہے اور تبدیلی سے بالا ہے۔ کوئی ایسی ہستی جو ازلی بھی ہو اور ابدی بھی ہو وہ تبدیل نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر وہ تبدیل ہوگی تو نہ تو وہ ازلی رہے گی نہ وہ ابدی رہے گی۔

اس نقطے کو سمجھتے ہوئے ہزار ہا سال سے فلاسفروں نے اس پر بحث کی اور دنیا کے مختلف ممالک کے قدیم اور جدید فلسفی اس نتیجے تک پہنچے اپنی عقل کی سوچوں کے ذریعے، اپنی عقل کی کاوشوں کے ذریعے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی میں تبدیلی ممکن نہیں اور مذاہب کے مطالعہ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ خدا کی ہستی میں تبدیلی اس کے ازل پر بھی حملہ کرتی ہے اس کے ابد پر بھی حملہ کرتی ہے۔ پس قرآن کریم جب فرماتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ تو ہرگز یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ خدا

تعالیٰ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ہاں اس کی وہ شان ضرور بدلتی ہے اور ہر لمحہ بدلتی ہے جو اپنی مخلوق پر ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ مثلاً موسموں کی تبدیلی کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کی شانیں بدلتی ہیں لیکن حقیقت نہیں بدلتی خدا کی شان کا اظہار بدل رہا ہوتا ہے۔ اگر موسم گرم ہو تو کیا خدا کی ذات میں کوئی تبدیلی ہوگی۔ اگر موسم ٹھنڈا ہو تو کیا خدا کی ذات میں کوئی تبدیلی ہوگی۔ اگر موسم انتہائی طور پر دلوں پر ایک تاریکی پیدا کرنے والا ہو اور ان کے جذبات کو مضمحل کرنے والا ہو جیسا کہ بعض دفعہ Depression پیدا کر دیتے ہیں موسم تو کیا خدا کی ذات میں کوئی تبدیلی پیدا ہوگی اور اگر موسم خوشگوار ہو اور انسان کی سوئی ہوئی مضمحل کیفیتوں کو بیدار کرنے والا اور تازہ کرنے والا ہو تو کیا خدا کی ذات میں کوئی تبدیلی پیدا ہو گی؟ ہرگز نہیں۔ لیکن ہاں آپ کے خدا کے تصور میں ضرور فرق پیدا ہوں گے۔ مختلف موسموں کے اثرات سے آپ اور طرح خدا کو یاد کریں گے اور یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کا دنیاوی تعلقات سے بھی ایک رشتہ ہے۔

شعراء جب ہمارے ملکوں میں جہاں گرمی کا بہت اثر ہوتا ہے ایسی گھٹاؤں کو دیکھتے ہیں جو ٹھنڈے پانی برسانے والی ہوتی ہیں تو اس وقت بے اختیار ان کی طبیعت شعروں کی طرف مائل ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہاں اب شعر کے اور موسیقی کے موسم آ گئے اور بعض لوگ کہتے تھے پینے پلانے کے موسم آ گئے۔ جو شاعر نہ بھی ہوں ان کے دلوں میں بھی نئی امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ دیہات میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض دفعہ پینگیں چڑھ جاتی ہیں اور سہیلیاں مل کے گانے گانے لگتی ہیں اور پکوان پکانے لگتی ہیں۔ تو یہ سارے موسم، بدلے ہوئے موسموں کے اثرات خدا تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری ہے۔ پس جلوؤں کی تبدیلی سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ خدا تبدیل ہوتا ہے لیکن جلوؤں کی تبدیلی سے انسان کے دل پر مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو جب آپ انسان کے عرفان کے ساتھ جوڑ کر سمجھنے کی کوشش کریں تو ہر انسان کے عرفان کی ترقی کے ساتھ ساتھ خدا کے جلوے بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور ایک نیا خدا انسان پر ظاہر ہونے لگتا ہے۔

پس اس پہلو سے جب آپ خدا سے تعلق باندھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ جتنے اخلاص کے ساتھ آپ خدا جیسا بننے کی کوشش کریں گے اتنا ہی خدا کا تصور اور زیادہ پھیلتا اور بڑھتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ کوئی بھی ایسا مقام نہیں آ سکتا کہ آپ یہ سمجھیں کہ ہم اب خدا کے اتنے قریب ہو گئے

ہیں کہ ہم نے اس کو پالیا ہے ہم نے اس کو پکڑ لیا ہے۔ کیونکہ خدا کا تصور عرفان کے ساتھ ساتھ پھیلتا ہے اور جتنا آپ زیادہ خدا والے بنیں گے اتنا ہی خدا اور زیادہ پھیلتا ہوا دکھائی دے گا اور زیادہ وسیع تر دکھائی دے گا۔

پس جتنا خدا آپ کے لئے وسعت اختیار کرتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کے جذبہ محبت میں اور زیادہ جوش پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ یہ اس لئے ضروری ہے اس بات کو سمجھنا کہ اگر آپ خدا کو جامد سمجھتے ہوئے خدا کی طرف بڑھیں تو آپ کی محبت ایک مقام پر جا کر رک جائے گی۔ دنیا کے تعلقات میں بھی دیکھا گیا ہے بعض لوگ کسی انسان کے حسن پر فریفتہ ہو جاتے ہیں جب تک اس کو نہیں پاتے ان کی محبت میں آگ لگی رہتی ہے جب اس کو پالیتے ہیں تو کچھ دنوں کے بعد محبت بجھ جاتی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ بس یہی کچھ تھا جو میں نے پالیا اور تھوڑی دیر کے بعد جو حسن قرب کی لذت بخشتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے بعض دفعہ کہ وہ قرب کی لذت بخشنے کی بجائے قرب کے نتیجے میں بے چینی پیدا کرنا شروع کر دے۔ انسان بور ہونے لگ جاتا ہے۔ ایک ہی جیسی چیز ہر روز آپ کو ملے تو کیسے آپ کی زندگی مزے سے کٹ سکتی ہے۔ بعض لوگوں کو مرغا پسند ہوتا ہے، بعضوں کو دال پسند ہوتی ہے، بعضوں کو آلو گوشت پسند ہے، بعضوں کو کریلے گوشت پسند ہے۔ ہر قسم کے کھانے ہر قسم کی پسند۔ لیکن ایک ہی کھانا جو آپ کی پسند کا ہو اگر آپ روزانہ کھانا شروع کر دیں تو کچھ دنوں کے بعد وہ منہ کو آنے لگے گا۔

پس یاد رکھیں کہ ایسا کوئی خطرہ بندے اور خدا کے تعلق کے درمیان واقع نہیں ہو سکتا کیونکہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا مضمون ہمیں یہ سمجھا رہا ہے اور ہمیں یہ یقین دلا رہا ہے کہ جتنا چاہو خدا کی طرف بھاگو اور جتنا چاہو اسے اپناؤ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ ایک بھی دن ایسا نہیں آئے گا کہ جب تم خدا کے حسن سے بور ہونے شروع ہو جاؤ اور یہ سمجھو کہ بس ہم نے دیکھ لیا جو دیکھنا تھا۔ ہر روز وہ نئے جلوے دکھائے گا۔ اس مضمون پر ایک دفعہ پہلے بھی میں نے ایک شعر آپ کو سنایا تھا غالباً احمد ندیم قاسمی کا ہے لیکن جس کا بھی ہے وہ بہت عمدہ شعر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

؎ جب بھی دیکھا ہے تجھے عالم نو دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا

اے میرے دوست میں نے تو جب بھی تجھے دیکھا ہے ایک نیا جلوہ تیرے اندر دیکھا ہے۔ تیرا شناسا ہونے کا جتنی میں کوشش کرتا ہوں میں تیرا شناسا نہیں ہوسکتا کیونکہ جب میں سمجھتا ہوں کے میں تجھے پہچان گیا ہوں تو تیرا ایک اور حسن مجھ پر ظاہر ہوتا ہے تو ایک اور جلوہ نمائی کرتا ہے۔ کسی انسان کے متعلق تو یہ شعر نہیں کہا جاسکتا سوائے ان خدا رسیدہ انسانوں کے متعلق جو خدا کے جلوؤں میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہوتے ہیں کہ عام انسان ان کی جتنی بھی پیروی کرے ان کے جلوؤں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے خدا نہ ہوتے ہوئے بھی عام انسانوں سے وہ اتنا فرق رکھتے ہیں کہ ہر انسان اگر ان کا شناسا ہونے کی کوشش کرے تو اپنی عمر گزار دے گا ان کی کنہ کو، ان کے حسن کی وسعتوں کو پا نہیں سکتا۔

پس اگر دنیا میں یہ شعر کسی پر صادق آ سکتا ہے تو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات پر آ سکتا ہے کیونکہ آپ کی ذات پر ہر لحہ خدا نئی شان سے ظاہر ہوتا رہا اور جس شان سے بھی خدا آپ پر ظاہر ہوا آپ نے ہر اس شان کو اپنا لیا، ہر اس شان سے چمٹ کر بیٹھ گئے اس کو اپنے وجود کا حصہ بنا لیا۔ پس اگر کوئی شخص حضرت محمد مصطفی ﷺ کو دیکھتے ہوئے مسلسل یہ کہتا چلا جائے کہ:

جب بھی دیکھا ہے تجھے عالم نو دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا

اس شعر کا ایک ایک لفظ حقیقت کے طور پر آنحضرت ﷺ پر صادق آتا چلا جائے گا اور ایک بھی زندگی کے سفر کا قدم ایسا نہیں ہوسکتا جس میں آپ آنحضرت ﷺ کو دیکھیں اور آپ میں جلوۂ نو نہ دیکھیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس بات کی گواہی دی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ: ۵) اے محمد ﷺ! تیرا ہر آنے والا لمحہ ہر گزرے ہوئے لمحے سے بہتر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کی یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے خدا کو کسی جامد حالت میں نہیں پایا بلکہ پھیلتے ہوئے اور آگے بڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور جوں جوں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اپنے محبوب آسمانی آقا سے شنائی حاصل کرے چلے گئے جوں جوں آپ عرفان میں بڑھتے چلے گئے وہ خدا بھی آگے بڑھتا رہا اور مزید وسعت اختیار کرتا رہا اس لئے حضور اکرم ﷺ کے ہر لحہ ایک نیا ظاہر ہونے والا خدا تھا جس کے جلوے سے آپ مدہوش ہوتے رہے۔

پس خدا کا عشق حقیقی ہے کیونکہ اس عشق کی راہ میں کوئی بھی ایسی روک نہیں ہے کوئی ایسی منزل نہیں ہے جہاں یہ عشق کھڑا ہو جائے اور اس عشق کے کھڑے ہونے کے نتیجے میں ایک قسم کی بوریت پیدا ہو جائے۔ انسان میں اکتاہٹ پیدا ہونی شروع ہو جائے۔ بوریت کا غالباً بہتر ترجمہ اردو میں اکتاہٹ ہی ہے۔ تو خدا کی محبت میں اکتاہٹ کا کوئی سوال نہیں ہے لیکن ضروری ہے کہ انسان جس خدا کو پائے اسے اپنائے اسے اپنی فطرت میں داخل کرے۔ اگر آپ نے خدا کو دیکھا اور اپنایا نہیں تو آپ کا خدا وہیں ٹھہر جائے گا اور آپ کی ترقی کی ساری راہیں بند ہو جائیں گی۔ اس لئے یہ راز ہے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کو دیکھ کر اگر اس کی طرف آگے نہیں بڑھیں گے تو وہ نعمت کا انکار ہے۔ خدا تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی طرف آگے بڑھنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسے اپنائیں اور اسے اپنی ذات میں جاری کرنے کی کوشش کریں۔ اس کی صفات حسنہ سے لذت پاتے ہوئے محض تعریف نہ کریں، محض زبان سے نہ کہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ:۲) بلکہ اپنے اعمال سے کر کے دکھائیں کہ ہاں ہمیں یہ صفات پسند ہیں ہمیں حقیقتاً پیاری لگتی ہیں اسی لئے ہم اپنی ذات میں بھی ان کو جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاں آپ نے یہ قدم بڑھایا وہاں ایک اور خدا آپ پر ظاہر ہونے لگے گا اس کی اور صفات حسنہ آپ کے آگے کھڑی ہو جائیں گی اور آپ کو بلائیں گی کہ ہاں میری طرف بھی آؤ۔

پس یہ وہ مضمون ہے جس کو سمجھنا جماعت احمدیہ کے لئے اور خاص طور پر نوجوانوں کے لئے ضروری ہے کیونکہ وہ ایک جذباتی دور سے گزر رہے ہیں۔ محبت کرنے کے سلیقے جانتے ہیں۔ محبت کرنے کی طاقتیں خدا نے ان کو عطا کی ہوئی ہیں۔ پس ان طاقتوں کو دنیا میں کھونے اور ضائع کرنے کی بجائے اگر وہ اپنے خدا کی طرف لگا دیں گے تو پھر ان پر دعا کا حقیقی مضمون بھی واضح ہوگا۔ پھر ان کو معلوم ہوگا کہ کس طرح خدا ہر روز ان کی دعا کو پہلے سے زیادہ قبول کرتا چلا جاتا ہے پہلے سے زیادہ ان کی فکر کرتا ہے، پہلے سے زیادہ ان کی بیتاب پکار کا جواب دیتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کئے بغیر ہم تمام دنیا کے دلوں کو خدا کی خاطر فتح کرنے کا خواب اگر دیکھیں بھی تو وہ پورا نہیں ہو سکتا۔ خواب تو یہ ہم سب دیکھ رہے ہیں لیکن اس کی تعبیر انہیں رستوں سے آپ کو ملیں گی جو میں نے آپ کو بتائیں ہیں۔

پس ہمیشہ باشعور طور پر ان معنوں میں اپنے خدا کے قریب ہونے کی کوشش شروع کر دیں

کہ خدا کا جو حسین تصور بھی آپ نے باندھا ہے وہ آپ کے سفر کا پہلا مقام ہے۔ اس تصور کو اپنی ذات میں جاری کرنا شروع کریں اور اپنا جائزہ لیا کریں کہ کیا آپ کے وجود میں کوئی مزید حسن پیدا ہوا ہے کہ نہیں۔ کیا دیکھنے والوں نے آپ کے اندر کوئی نئی پاک تبدیلی پائی ہے یا نہیں پائی۔ اگر آپ کا حسن بڑھ رہا ہے اور خدا کے قریب ہو رہے ہیں تو جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے خوب کھول کر بات رکھ دی ہے خدا بھی آپ کے لئے اور بڑا اور اور بھی زیادہ وسیع تر وجود اختیار کرتا چلا جائے گا اور اس کی عظمت سے آپ حصہ پائیں گے کیونکہ جتنا خدا زیادہ عظیم ہو کر آپ پر ابھرے گا اور جتنا آپ اس کے قریب ہونے کی کوشش کریں گے اتنا ہی آپ کے انسانی دائرے بھی پھیلتے چلے جائیں گے اور آپ کا وجود ایسی وسعت بھی اختیار کر سکتا ہے کہ عام انسان بھی آپ کو حیرت سے دیکھیں۔

پس اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں اور دعا کی طاقت بڑھانے کے لئے اس نسخے پر بھی عمل کریں جو میں نے آپ کو بتایا ہے۔ اس کے بعد پھر ہمارے سامنے بہت سے کام ہیں، بہت سے لائحہ عمل ہیں جن کو ہم نے اختیار کرنا ہے اور خصوصیت کے ساتھ آئندہ صدی کے لئے ہم نے نمونے بنا کر پیش کرنے ہیں کہ اس طرح خدمت دین ہوا کرتی ہے اس طرح دنیا میں روحانی انقلاب برپا کئے جاتے ہیں۔ اس رنگ میں ایسا کام کریں کہ جس طرح صدیاں گزرے ہوئے مجددین کو دیکھتی ہیں اس طرح آپ کی اس نسل کو آئندہ آنے والی صدی مجددین کے طور پر دیکھے۔ وہ یہ سمجھے کہ آپ کا مقام ان کے مقابل پر ایسا تھا جیسے مجددین کا مقام ہوا کرتا ہے۔ آپ نے ان کے لئے راہیں طے کرنے کے اسلوب روشن کئے ہیں۔ آپ نے ان راہوں پر چل کر آگے بڑھ کر ان کے لئے نمونے دکھائے ہیں اور ان کو بتایا ہے کہ کس طرح خدا اور بندے دونوں کی طرف بیک وقت سفر ہوا کرتے ہیں اور کس طرح ان کے فاصلوں کو انسان آپس میں اپنی دعاؤں اور کوششوں کے ذریعے کم کرتا چلا جاتا ہے۔

یہ جو آخری بات ہے اس کے متعلق انشاء اللہ آئندہ پھر کبھی میں کسی موقع پر بات کروں گا یعنی فاصلے کم کرنے کی بات۔ ایک فاصلے کے متعلق تو میں نے آپ کے سامنے بات کھول دی ہے کہ آپ کے اور خدا کے فاصلے کم ہونے چاہئیں مگر کم ہونے سے یہ مراد نہیں کہ واقعی کم ہو جائیں گے۔ کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ آگے بڑھیں گے اور خدا بھی آگے بڑھے گا لیکن اس کے باوجود جہاں تک آپ کی خاطر پیار سے جھکنے کا تعلق ہے وہ فاصلے کم ہوتے ہوتے بالکل مٹ جائیں گے اور ایسے

مٹ جائیں گے کہ آپ عملاً اس بات کا مشاہدہ کریں گے کہ وہ آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور خدا تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم آئندہ نسلوں کے لئے، آئندہ صدیوں کے لئے ایک ایسا نور چھوڑ جائیں جس کی روشنی میں وہ ہمیشہ خدا اور خدا کے بندوں کی طرف آگے بڑھتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔